QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

"ڈاکٹر مختار ظفر کی سفر نامہ نگاری: ایک تنقیدی جائزہ"

''DR. MUKHTAR ZAFAR'S TRAVELOGUES: A CRITICAL STUDY''

Muhammad Raza Shah
M.Phil Urdu, University of Southern Punjab, Multan
Email: razashah1353@gmail.com
Dr. Munawar Amin
Assistant Professor, Department of Urdu, University of Southern Punjab, Multan
Email:drmunawaramin143@gmail.com

Abstract
Dr. Mukhtar Zafar's two travelogues, "Su'ye Haram Le Chal" and "Kyun Na Hum Bhi Sair Karingay South Korea Ki", do far more than simply inform; they weave together personal experiences, historical context, and atmospheric detail into a beautifully balanced narrative. Drawing on both art and intellect, he maintains high standards through vivid scene painting, meticulous descriptions, narrative flow, and eloquent language that keeps the reader fully engaged. Beyond his travel writing, he has published over twenty books, underscoring his scholarly breadth. In these travelogues, the practical aspects of travel specific locations, routes, and environmental conditions are richly detailed. Yet Dr. Zafar also layers his personal observations, emotions, wonder, and intellectual reflections, creating a synthesis that elevates the text from mere reportage to literary masterpiece. As a result, readers feel as if they are right there whether at a sacred site or a modern metropolis experiencing it firsthand. His works stand as a brilliant contribution to Urdu travel writing: informed, culturally aware, stylistically refined, and emotionally compelling. Combined, these elements make his travelogues among the finest in the language.
***Key word**: Twenty Books, Travelogues, Critical Study, Historical, Environmental, Emotionally.*

ڈاکٹر مختار ظفر ایک ہمہ جہت ادبی و علمی شخصیت ہیں جنہوں نے صحافت، تصوف، انشائیہ نگاری، مضمون نویسی، تحقیق اور تنقید کے شعبوں میں مثالی خدمات انجام دیں۔ انہوں نے زندگی بھر نئے موضوعات پر کتب تصنیف کیں اور اپنی تمام تحریروں کو منظم انداز میں محفوظ کیا۔ ملتان بورڈ میں کنٹرولر امتحانات اور پھر ۱۹۹۹ء میں انچارج چیئرمین کی حیثیت سے فائز رہنے کے بعد، انہوں نے اسی عہدے سے ریٹائرمنٹ اختیار کی۔ اردو ادب اور خاص طور پر خطۂ ملتان کے حوالے سے ان کے سینکڑوں تحقیقی و تنقیدی مضامین، کالم وغیرہ مختلف اخبارات، رسائل اور کتب میں شائع ہو چکے ہیں، جبکہ ان کی بیس سے زائد کتب بھی منظرِ عام پر آئی ہیں۔ ان میں "علامہ طالوت: خطہ ملتان کی علمی و ادبی اور تحقیقی روایت کا معتبر حوالہ" (۲۰۰۲)، "اسد ملتانی... فکرِ اقبال کا نمائندہ شاعر" (۲۰۰۷)، "محمد عبد اللہ نیاز... خطۂ ملتان کی تحقیقی اور قومی شعری روایت کا منفرد حوالہ" (۲۰۰۹)، "ملتان کی اردو شعری روایت (مقالہ پی ایچ ڈی)" (۲۰۱۴)، "شاعرانِ خوش نوا (تحقیق و تنقید)" (۲۰۱۵)، "آفاقی و سرمدی شاعر خواجہ غلام فرید" (۲۰۱۵)، "نگارش کدہ" (۲۰۱۶)، "پاکستانیات" (۲۰۱۷)، "ملتان، ادب اور تصوف" (۲۰۱۸)، "ابوالکلام آزاد... متاعِ گم گشتہ" (۲۰۱۹)، "شعر و ادب کی محفلیں... ملتان کی" (۲۰۲۰)، نیز دیگر اہم تصانیف جیسے "وہ جن کے ہوتے ہیں خورشید آستینوں میں"، "مقدمے اور ابتدایئے"، "آئینہ خانہ"، "ادب و انشاء"، "سیاسی و سماجی منظر نامہ... تہذیبی ملتان کا"، "انشایئے" اور "سقراط کی صدارت میں... عالمِ خواب کا مجلسی مقالمہ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

ڈاکٹر مختار ظفر کی تخلیقی پہلوؤں میں سفر نامہ نگاری کا بھی اہم مقام ہے۔ انہوں نے دنیا کے کئی ممالک کا سفر کیا، مگر خاص طور پر دو سفر ناموں میں ان کی منفرد جھلک ملتی ہے: "سوئے حرم لے چل" (حرمین شریفین کا سفر نامہ) اور "کیوں نہ ہم بھی سیر کریں ساؤتھ کوریا کی" (جنوبی کوریا کا سفر نامہ)، جو دونوں ایک مشترکہ کتاب میں شامل ہو کر ۲۰۲۰ء میں فکشن ہاؤس لاہور سے شائع ہوئی۔ ان سفر ناموں میں ان کا مشاہداتی تاثر، معلوماتی وضاحت اور تخلیقی اظہار نمایاں ہیں، جنہوں نے قدیم سفر نامہ نگاری کی روایت کو ایک نئے رنگ اور زاویے سے زندہ رکھا ہے۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

سفر کو زندگی کا استعارہ کہا گیا ہے۔ وہ لوگ جو سفر کرتے ہیں ان لوگوں کی نسبت زندگی کا زیادہ ادراک رکھتے ہیں جو سفر نہیں کرتے۔ سفر کی اہمیت کو ہر دور میں محسوس کیا گیا ہے۔ لوگوں نے زندگی کی ضروریات کے لیے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کیا تو ان کی اقوام عالم میں شناسائی ہوئی اور یوں لوگوں کے افکار، تجربات، سیاست، ثقافت اور اقدار کا تبادلہ اور موازنہ سامنے آیا یوں لوگوں نے دوسرے لوگوں کے تجربات سے سیکھا اور اپنی زندگی میں بہتری لائے۔ جب ادبی شخصیات نے سفر نامے لکھے تو وہ محض سفر کی روداد تک محدود نہیں رہ گئے بلکہ ان میں زبان و بیان کے حوالے سے نئے تجربات، فن کے مختلف پہلوؤں اور تکنیک کے تجربات کو شامل کیا گیا تو ان میں ایک انفرادیت پیدا ہوئی اور یہ انفرادیت اس فن پارے کا ادبی ہونا تھا۔ یوں سفر نامہ ادب کی ایک اہم صنف بن کر سامنے آیا۔ سفر نامہ کے فن اور اس کے مختلف پہلوں کے حوالے سے محققین نے تفصیل سے لکھا ہے۔ نفیسہ حق اس کی تعریف یوں کرتی ہیں:

> "سفر نامہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مسافت طے کرنا، سیاحت کے لیے نکلنا، ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا، ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہونا کے ہیں۔ اردو زبان میں یہ لفظ عربی سے مستعار ہے اور انہیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ "نامہ" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی خط، فرمان یا مجموعی طور پر تحریر شدہ عبارت ہے۔ اس لیے اردو کے علماء نے سفر عربی سے اور نامہ فارسی سے لے کر سفر نامہ کی اصطلاح وضع کی ہے۔ اردو میں سفر نامہ روداد سفر یا سفری تجربات، مشاہدات کو رقم کرنے کے ہیں۔"(۱)

زمانہ قدیم میں لوگوں کے پاس نقشے، جغرافیائی معلومات اور سفری سہولیات کی کمی تھی اس لیے لوگ اپنی بستیوں اور شہروں سے بہت کم باہر جاتے تھے لیکن دوسرے علاقوں اور جگہوں کے بارے میں جاننے کا گہرا اشتیاق رکھتے تھے۔ لوگ زیادہ تر گدھوں، گھوڑوں یا بیل گاڑیوں میں سفر کرتے اور سفر کرنے کے لیے پختہ سڑک اور دیگر سہولیات کی بھی کمی تھی لیکن آج جدید سہولیات اور سفر کے لیے ہوائی جہاز موجود ہیں جہاں دنوں کا فاصلہ گھنٹوں میں طے ہو جاتا ہے یوں برصغیر میں غیر ملکی سیاحوں کی آمد ہمیشہ سے رہی اور یہاں کے لوگ بھی دنیا جہاں کے ملکوں میں تواتر سے آتے جاتے رہے ہیں۔ ہمیں دونوں جگہوں کے سفر نامے ملتے ہیں۔

ڈاکٹر انور سدید سفر نامہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "سفر نامہ کا شمار اردو کی بیانیہ اصناف میں ہوتا ہے۔ سفر نامہ چونکہ چشم دید واقعات پر لکھا جاتا ہے اس لیے سفر اس کی اساسی شرط ہے۔ بادئُ النظر میں سفر کے ساتھ ساتھ انجانے دیسوں کی سیر، نئی فضاؤں سے واقفیت اور انوکھے مناظر کے مشاہدات کا تصور وابستہ ہے۔ اس لیے سفر میں تخیل کا عنصر فطری طور پر شامل نظر آتا ہے اور تحیر انسان کو سفر پر اکساتا رہتا ہے۔ سفر کی نوعیت خواہ کیسی ہو سیاح یا مسافر اس بات کے آرزومند ہوتے ہیں کہ وہ تجربات سفر سے زیادہ آگہی حاصل کر کے اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔"(۲)

اردو سفر نامہ کا آغاز انیسویں صدی میں ہوا۔ یوسف خان کمبل پوش کی تخلیق "عجائبات فرنگ" جو ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا اردو کا اولین سفر نامہ تصور کیا جاتا ہے۔ انیسویں صدی کے آخر تک اردو میں متعدد سفر نامے تحریر کئے گئے لیکن سفر نامہ کو ادبی صنف کا درجہ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ان کو زیادہ پذیرائی نہیں ملی۔ لیکن بیسویں صدی کے آغاز سے ہی کثیر تعداد میں سفر نامے اردو زبان کا حصہ بنے۔ خاص طور پر جب اردو کے ممتاز ادیبوں نے سفر نامے لکھے تو ان کو بڑے پیمانے پر پڑھا بھی گیا اور ان میں ایک ادبی چاشنی سامنے آئی جس نے ناقدین کی رائے کو بدل دیا اور سفر نامہ کا شمار اردو کی ادبی اصناف میں ہونے لگا۔ بیسویں صدی کے نصف اول تک برصغیر میں جدید سہولیات نہ ہونے کے برابر تھیں اس لیے زیادہ تر لوگ دور دیسوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے سفر ناموں کا انتخاب کرتے تھے۔ یوں اردو میں ان سفر ناموں کی بدولت دوسرے ممالک خاص طور پر یورپ اور امریکہ کی تہذیب، ثقافت، سیاست، خوراک، رسوم و رواج اور جغرافیہ کے بارے میں اہم معلومات اردو سفر نامہ کے ذریعے ہی سامنے آئیں۔ ایک کامیاب سفر نامے کے بارے میں خالد محمود اپنی کتاب میں ڈاکٹر سید عبد اللہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

”ایک کامیاب سفر وہ ہوتا ہے جو صرف ساکت وجامد فطرت کا عکاس نہ ہو بلکہ لمحہ رواں میں آنکھ، زبان، کان اور احساس سے ٹکرانے والی ہر شے نظر میں سما جانے والی ہو۔ تماشا، نغمہ و نکہت کا ہر صورت و رنگ لفظوں کی امیجری میں جمع ہو کر بیان کو مرقع بہاراں بنادے اور قاری ان تماشوں کے اندر جذب ہو کر خود کو اس مرکب آئینہ گری کا حصہ بنالے۔“(۳)

قیام پاکستان کے بعد اردو سفر نامے میں فنی اور فکری پہلوں سے رنگا رنگی نظر آتی ہے۔ اس دور میں لوگوں کو آزادی میسر آئی تو سفر نامے کثرت سے لکھے گئے۔ یہاں دیگر ادبی اصناف بھی سفر نامے کا حصہ بنتی نظر آتی ہیں۔ سفر نامہ نگار یہاں محض جغرافیے سے تعارف نہیں کروا رہا بلکہ ان ملکوں اور شہروں کے ادب پارے اور ادیبوں کے بارے میں بھی بیان کر رہا ہے۔ یوں سفر نامہ میں مختلف ادبی اصناف اور تکنیکوں کا استعمال ہونے لگا جس سے اس میں دلچسپی کے امکانات بڑھ گئے۔ عمران قریشی لکھتے ہیں:

”فنی اعتبار سے سفر نامہ ایک ایسی صنف ہے جس میں تکنیک کے تجربات کی گنجائش کم ہوتی ہے۔ قدیم سفر ناموں کا انداز بیانیہ تھا۔ آج بھی اس تکنیک میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی اگرچہ پرانے اور نئے سفر ناموں میں وقت کے ساتھ ساتھ مختلف سفر نامہ نگاروں نے تکنیکی تجربات کئے لیکن نئے دور کا سفر نامہ بھی زیادہ تر بیانیہ انداز میں ہی لکھا جا رہا ہے۔“(۴)

سفر نامہ خط، ڈائری، کہانی اور آپ بیتی کے انداز میں زیادہ تر لکھا گیا ہے۔ یہ اپنی نسبت میں آپ بیتی کے زیادہ قریب ہے۔ کبھی کبھی اس میں رپورتاژ اور روداد نویسی کا اثر زیادہ نظر آتا ہے۔ یوں سفر نامہ میں کسی نئے اور دور دراز ملک یا شہر کے بارے میں اس انداز سے لکھا جاتا ہے کہ جیسے آپ قاری کی انگلی پکڑ کر اسے میلے میں ہر ہر چیز دکھا رہے ہیں۔ سفر نامہ نگار جب کسی مقام کے سفر کا ارادہ کرتا ہے تو وہ وہاں جانے کی غرض کو سب سے پہلے بیان کرتا ہے پھر وہ اس جگہ کے لیے سفر اختیار کرنے سے پہلے تیاری کرتا ہے اور سفر کے ذریعہ کا انتخاب کرتا ہے وہ سفر میں آنے والے خوشگوار اور ناخوشگوار واقعات کو بیان کرتے ہوئے مطلوبہ ملک میں داخل ہونے کے وقت کی کیفیات کا اظہار کرتا ہے اور پھر جو جو چیزیں اس کے مشاہدے میں آتی چلی جاتی ہیں وہ ان کو بیان کرتے ہوئے اپنے ملک کے سیاسی، سماجی، ثقافتی اور ادبی احوال کا موازنہ ساتھ ساتھ کرتا جاتا ہے۔ اردو سفر نامہ کی تکنیک اور فنی محاسن کے حوالے سے ڈاکٹر حفیظ صدیقی لکھتے ہیں:

”اچھا سفر نامہ وہ ہوتا ہے جس میں مشاہدے کی گہرائی، ثقافتی مطالعہ کا سلیقہ، اختلافات کے باوجود بنی نوع انسان کی اساسی وحدت کا شعور، اجنبی دیار و امصار کی زندگی کا ایسا صحیح تعارف شامل ہو جو مبنی بر حقیقت ہونے کے علاوہ قارعین کے لیے دلچسپ خیال انگیز اور بصیرت افروز ہو۔“(۵)

سفر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ تمام انسانی زندگی سفر سے عبارت ہے اور جب تک انسانی زندگی قائم رہے گی سفر کا یہ سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ خدا نے انسان کی فطرت میں تجسس کا مادہ رکھا ہے۔ ہر عہد کے انسان نے اپنے آس پاس کی دنیا اور جغرافیے کو کھوجنے کا عمل جاری رکھا ہے۔ جب انسان کی آبادی بہت کم تھی تو انسان جنگلوں اور پہاڑوں کے راز جاننا چاہتا تھا پھر اس نے نقشے مرتب کئے اور سمندری راستے دریافت کرتا چلا گیا۔ آج جدید سفری سہولیات کے باعث وہ آسانی سے ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک خطے سے دوسرے خطے میں آتا جاتا ہے۔ جب انسان نے اس دھرتی کو دریافت کر لیا تو اس کی نظر آسمانوں پر ہے۔ وہ چاند تک کا سفر کر چکا ہے اور مریخ پر جانے کی تیاری برسوں سے کر رہا ہے۔ ہو سکتا ہے آنے والے وقتوں میں وہ دوسرے سیاروں پر اسی طرح آئے جائے جس طرح زمین پر ایک دوسرے میں آتا جاتا ہے۔ یوں سفر کرنا اور نئی جگہیں کھوجنا انسان کی فطرت رہی ہے۔

ایک اچھے سفر نامے میں کئی خواص مل کر اس کے مجموعی تاثر کو باعثِ تحسین بناتے ہیں۔ تفصیلی منظر نگاری اور داستانوی رنگ قاری کو سفر کے مناظرات میں لے جاتے ہیں، جہاں افسانوی فضا اور ڈرامائی مکالمہ نگاری سفر کو زندہ محسوس کراتی ہے۔ جب آپ بیتی اور جگ بیتی کے لطیف لمحات شامل ہوں، تو قاری کو جگہ اور وقت کی حقیقت کا بخوبی ادراک ہوتا ہے۔ فطرت کے مظاہر کی عکاسی، سچی سیاحت کی روح، اور سفر کے آغاز و اختتام کی واضح تفصیلات اس بیانیہ میں استحکام لاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ سفر نامے

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

میں استعمال ہونے والی تکنیکیں قاری کو مصنف کی داخلی و خارجی دنیا کے ملاپ کی دعوت دیتی ہیں، اور اپنے ملک و مقام کے مقابلے میں نئے مقام کی ثقافتی، تعلیمی اور سیاسی ساخت کو جاننے کا موقع دیتی ہیں۔ انفراسٹرکچر، موسم، ماحول، درخت، پرندے، جانور اور لوگوں کی خصوصیات بیان کر کے مصنف اپنے مشاہدات کو جاندار بناتا ہے۔

اچھا سفر نامہ ذاتی تجربات، خوراک، لباس، تہواروں، مشکلات و مصائب اور حیرت و تجسس کے عناصر کو حقیقت نگاری کے دائرے میں سادہ اور صاف زبان میں بیان کرتا ہے۔ اس میں علمی موضوعات جیسے تاریخ، جغرافیہ، ساجیات، فن اور نجوم کو بھی شامل کیا جاتا ہے، تاکہ قاری کو نہ صرف منظر نظر بلکہ پس منظر کا علم بھی ہو۔ سفر نامہ نگار ہر قسم کے تعصب سے پاک ہوتا ہے اور سفر کی ضرورت، مدت، مقاصد اور نتائج کے حوالے سے واضح رہتا ہے۔ مصنف نہ صرف سفر کے آغاز سے آگاہ کرتا ہے بلکہ اختتام پر واپس وہاں پہنچ کر قاری کو مکمل انجام سے روشناس کرادیتا ہے۔ آخر میں یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ آیا مصنف اس سفر سے مطمئن ہوا، اور اگر دوبارہ موقع ملا تو کیا وہ پھر وہیں جائے گا؟ اس طرح، یہ تمام عناصر مل کر ایک ایسا سفر نامہ تخلیق کرتے ہیں جو نہ صرف معلوماتی بلکہ دل کو چھو لینے والا، حقیقت پسندانہ اور فنی لحاظ سے مضبوط ہوتا ہے۔

یوں سفر نامہ میں اگر ان عناصر کو شامل کیا جائے تو وہ سفر نامہ پر عمر اور ذہنیت کے قاری کو متاثر کرے گا۔ خطہ ملتان زمانہ قدیم سے علم وادب کی روایت کا امین رہا ہے۔ یہاں کے فنکاروں نے فکشن، شاعری، نثر اور دیگر علمی، تاریخی موضوعات پر کھل کر لکھا ہے۔ خطہ ملتان نے جہاں شاعری اور فکشن میں بڑے نام پیدا کئے وہیں یہاں سفر نامہ بھی تواتر سے لکھا جاتا رہا ہے۔ ملتان میں سفر نامہ لکھنے کے رجحان کے حوالے سے ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں:

> ”ملتان کے باشندوں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ شہر سے باہر یا دریا پار جاتے ہی اپنے آپ کو پردیسی خیال کرتے تھے اور انہیں اپنے پیاروں کی یاد ستانے لگتی تھی جسے ملتانی زبان میں مونجھ کہتے ہیں اس تناظر میں بڑی سیدھی سی بات ہے کہ ملتان کے ابتدائی سفر نامے تو محض مذہبی محرکات کے تابع لکھے گئے یہ تو کہیں بعد میں ہوا کہ ملتانیوں کو بھی احساس ہوا کہ وہ سیاحت عالم کے حوالے سے اپنے تجربات یا مختلف ثقافتوں اور رواجوں کا اپنی ثقافت اور رواج سے تقابل پیش کر سکتے ہیں۔ اخبارات میں کچھ لوگوں نے قسط وار لکھا اور پھر ان کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ کتابی صورت میں دیکھا جائے تو پھر حج اور زیارات کے سفر ناموں میں حسن بخش گردیزی، احمد خان درانی، اسد اریب اور حفیظ الرحمن کا نام لیا جا سکتا ہے۔“(۶)

ملتان کے ابتدائی سفر نامہ نگاروں میں عزیز بلوچ، حنیف چودھری، منیر فاطمی کے نام لیے جا سکتے ہیں لیکن ملتان کے اولین سفر نامہ نگار حسن بخش گردیزی ہیں۔

اس ضمن میں ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں:

> ”ملتان میں سفر نامے کی روایت بہت قدیم ہے اس علاقے میں اردو کے پہلے سفر نامہ نگار حسن بخش گردیزی تھے جن کے سفر نامے ”سفر نامہ عراق“ اور ”سفر نامہ خراسان“ اگرچہ شائع نہیں ہوئے تاہم انہیں شعبہ اردو میں ایک مقالے کی صورت میں مرتب کیا جا چکا ہے۔ حسن بخش گردیزی (۱۸۶۱ء تا ۱۹۳۸ء) کے سفر ناموں میں واقعات اور کہیں کہیں حالات کو بیان کرتے ہوئے وہ اتنی تفصیل میں چلے جاتے ہیں کہ قاری بوریت محسوس کرنے لگتا ہے۔“(۷)

خطہ ملتان کے ابتدائی سفر نامے میں سفر نامے کے ابتدائی محرکات ملتے ہیں ان میں منظر نگاری کے نمونے ملتے ہیں جس سے اس میں ادبی چاشنی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ اپنے سفر ناموں میں منفرد تراکیب بھی استعمال کرتے ہیں لیکن ان ادبی اصناف کے باوجود ان سفر ناموں کا جھکاؤ مذاہب کی طرف بہت زیادہ ہے جس کی وجہ سے ایک خاص طرح کا قاری جو سفر سے لطف لینا چاہتا ہے وہ ان سفر ناموں میں دلچسپی برقرار نہیں رکھ پاتا۔ تاہم یہ سفر نامے صرف خطہ ملتان کے ہی نہیں اردو کے بھی قدیم سفر ناموں میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ قاضی محمد برخوردار ملتانی کا سفر نامہ ”سفر نامہ مخدوم“ ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔ محمد غوث قریشی کا سفر نامہ حج ”سفر نامہ غوثیہ“ کے عنوان سے ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔ امین اللہ خان نے ”انیس الحجاج“ کے عنوان سے سفر نامہ تحریر کیا جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔ اس کے ساتھ ہمیں سید قاسم علی شاہ کا سفر نامہ ایران ”خضر نصیب“ کے عنوان سے ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا۔

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

یوں ہمیں تقسیم ہند سے پہلے خطہ ملتان میں درجن بھر سفر نامے ملتے ہیں جو اس خطے میں سفر نامہ کو ایک اہم صنف کے طور پر رائج کرواتے ہیں۔ تقسیم کے بعد بہت سے لوگوں نے سفر نامہ کو بطور صنف کے لیا اور باقاعدہ اس صنف کے ذریعے اپنا اظہار سامنے لائے۔ ان لوگوں میں عاصی کرنالی، اسد اریب، احمد خاں درانی، حفیظ الرحمن خان، عزیز بلوچ، حنیف چودھری، منیر فاطمی، ڈاکٹر اے۔بی اشرف، نجمہ افتخار، نوشابہ نرگس، ثریا آصف، ڈاکٹر شگفتہ فراز، صلاح الدین حیدر، قیصر عباس، عباس برمانی، ڈاکٹر علی اطہر، ڈاکٹر امجد بخاری اور ڈاکٹر مختار ظفر کے نام نمایاں ہیں۔

ملتان کے تناظر سے ہٹ کر اگر اردو ادب میں سفر نامہ نگاری کی روایت پر نظر ڈالی جائے تو اس صنفِ نثر کا باقاعدہ آغاز اُنیسویں صدی کے وسط میں ہوا۔ اس سلسلے کی اولین کوشش یوسف خاں کمبل پوش کا تحریر کردہ "عجائباتِ فرنگ" ہے، جو 1847 میں منصہ شہود پر آیا اور اردو کا اولین مطبوعہ سفر نامہ قرار پایا۔ اُنیسویں صدی میں جن اہم اور وقیع سفر ناموں نے اردو ادب کی زینت میں اضافہ کیا، ان میں سر سید احمد خاں کا "مسافرانِ لندن"، محمد حسین آزاد کا "سیر ایران"، شبلی نعمانی کا "سفر نامۂ روم و مصر و شام"، اور مولانا عبدالحی کا "دہلی اور اس کے اطراف" نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ یہ تمام تحریریں نہ صرف اس دور کے فکری، تہذیبی اور تمدنی میلانات کی عکاس ہیں بلکہ ان میں مشاہدے کی گہرائی اور اسلوب کی شگفتگی بھی نمایاں ہے۔

بیسویں صدی میں آمد و رفت کے ذرائع میں ترقی اور ہوائی سفر کی سہولت نے جہاں سیاحت کو عام کیا، وہیں سفر نامہ نگاری کو بھی نئی جہات عطا کیں۔ اس عہد میں مذہبی، ادبی، سیاسی، جغرافیائی، تاریخی اور سوانحی نوعیت کے متعدد سفر نامے منظر عام پر آئے جنھوں نے اردو نثر کے دامن کو مزید وسعت بخشی۔ اس ضمن میں منشی محبوب عالم کا "سفر نامۂ یورپ"، سر عبد القادر کا "مقامِ خلافت"، مولوی محمد قصوری کا "ماراتِ کامل"، اغا قاضی عبد الغفار کا "مشاہدات کابل و داغستان" اور "نقشِ فرنگ"، سید سلیمان ندوی کا "سفر نامۂ برما"، بیگم حسرت موہانی کا "سفر نامۂ عراق"، احتشام حسین کا "ساحل اور سمندر"، خواجہ حسن نظامی کا "سفر نامۂ شام، مصر و حجاز"، خواجہ احمد عباس کی "مسافر کی ڈائری"، بیگم اختر ریاض کا "سمندر پار سے"، اشفاق احمد کا "سفر در سفر"، اور مستنصر حسین تارڑ کے "نکلے تیری تلاش میں" اور "اندلس میں اجنبی" نہایت اہم اور قابلِ مطالعہ متون ہیں۔

اردو سفر نامہ نگاری کا ایک اہم ذیلی میدان "حج نامہ" بھی ہے جس میں خاصی تعداد میں تحریریں قلمبند کی گئی ہیں۔ اس باب میں مولانا عبد الماجد دریابادی کا "زادِ راہ"، ممتاز مفتی کا "لبیک"، نسیم حجازی کا "دیارِ حرم"، ماہر القادری کا "کاروانِ حجاز"، مرتضیٰ حسین کا "بدر سے کوفہ تک"، اور غلام الثقلین کا "ارضِ تمنا" نہایت معتبر اور دینی و روحانی تجربات پر مبنی شاہکار ہیں۔

جدید سفر نامہ نگاروں نے ملکی اور غیر ملکی سیاحتی، تاریخی اور ثقافتی مقامات کے سفر نامے لکھے۔ یہ سفر نامے ادبی چاشنی اور زبان و بیان کے حوالے سے انفرادیت رکھتے ہیں ساتھ ساتھ ان سفر ناموں میں نئے عہد کے مسائل اور حالات پر بھی عمدہ تبصرہ ملتا ہے۔ ان سفر ناموں میں زیادہ تر تعداد پاکستان کے شمالی علاقہ جات کے سفر ناموں کی ہے جن میں کیلاش، کے۔ ٹو، رتی گلی، ناران، کاغان، سوات، ہنزہ، گلگت، مری اور وادی کشمیر شامل ہیں۔ دوسری طرف ان سیاحوں نے یورپ، امریکہ، سنٹرل ایشیا، افریقہ، ایشیا کے ممالک کے سفر نامے تحریر کئے ہیں ان سفر ناموں میں ان ملکوں کی معیشت، سیاحت، ثقافت اور زبان کے بارے میں مکمل معلومات ملتی ہیں۔ یہ سب سفر نامے اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے اردو کے بہترین سفر ناموں میں شمار ہوتے ہیں۔ انہیں سفر ناموں میں ایک بڑی تعداد حج اور زیارات کے سفر ناموں کی بھی ہے۔ ڈاکٹر مختار ظفر کے دو سفر نامے سعودی عرب اور کوریہ کے سفروں پر مشتمل ہیں۔ ان دونوں سفر ناموں میں ہمیں معلومات، سفر کی تفصیل اور عمدہ زبان کا استعمال ملتا ہے۔ ان سفر ناموں کا تفصیلی مطالعہ درج ذیل ہے۔ ان میں اولین "سوئے حرم لے چل" ہے۔

ڈاکٹر مختار ظفر نے اپنے منفرد اسلوب اور وسیع مطالعہ کی بدولت اس سفر نامہ میں ایک ادبی چاشنی شامل کر دی ہے جو ملتان میں لکھے جانے والے سفر ناموں میں ان کے سفر ناموں کو مختلف اور منفرد بناتی ہے۔ ڈاکٹر مختار ظفر نے اس سفر نامے میں حقائق کو ان کی اصل صورت میں درج کیا ہے۔ انہوں نے اس میں کسی طرح کے مبالغے سے کام نہیں لیا۔ جس طرح مقام اور واقعات ان کے سامنے آتے رہے وہ ان کو اسی طرح بیان کرتے چلے گئے ہیں۔ بیان میں زبان سادہ رکھی ہے اور کسی بات کو غیر ضروری طول

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

نہیں دیا۔"سوئے حرم لے چل" ایک مختصر اور جامع سفر نامہ ہے جس میں انہوں نے سعودی عرب میں عمرہ کی ادائیگی کے دوران حرمین شریفین، مسجد نبوی اور دیگر اہم زیارات کا ذکر کیا ہے۔ اس سفر نامے کا انتساب مختار ظفر نے رفیقانِ سفر مسز زاہدہ خانم اور فرزند ارجمند عمار یاسر کے نام کیا ہے۔ سعودی عرب کا یہ سفر انہوں نے اپنی بیوی اور بیٹے کے ساتھ اختیار کیا اس لیے اس سفر میں ان کی موجودگی اور تجربات کو بھی شامل کرتے ہیں یوں سفر نامہ میں ایک وسعت آجاتی ہے۔ ڈاکٹر مختار ظفر نے اس سفر نامہ کے آغاز میں چند ضروری وضاحتیں یوں درج کی ہیں:

> "بیرون ملک سفر کے یہ مواقع ملے جو محدود مناظر پر مشتمل تھے۔ عمرے کا سفر گویا روحانی نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس میں لگے بندھے راستوں پر چلنا پڑتا ہے۔ وہی راستے، وہی منزلیں، وہی راستے وہی مقامات، وہی مشاہدات، از بیت الحرام تا مسجد نبوی صرف محسوسات اور واردات دل اپنی اپنی ہوتی ہے۔ مگر ان میں بھی یکسائی سی جھلکتی ہے اور یوں ان خیالات کے پس پردہ جو تصورات کار فرما تھے وہ خواہ علمی تھے، ادبی تھے یا شعری نیز وہ اس نوعیت کے محسوسات کو بھی Enrich کرتے ہیں۔"(۸)

ڈاکٹر مختار ظفر نے سفر نامے میں صرف مکہ و مدینہ پہنچنے، سفر کے انتظامات اور راستوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ مختلف مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے بعد اپنے گہرے جذبات اور روحانی احساسات کو بھی تحریری رنگ میں پیش کیا۔ انہوں نے بتایا کہ جب انہوں نے حجر اسود کے قریب طواف کیا تو حالات اس قدر روح پرور تھے کہ "قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے" جیسا تجربہ محسوس ہوا۔ اس قدم قدم پر جو سکون، عقیدت، اور روحانی استفادہ ان کے دل میں ابھرا، اسے بھی انہوں نے سفر نامے کا حصہ بنایا تاکہ قاری بھی اُن کے ساتھ اس نہایت ذاتی اور مقدس تجربے کا احساس کرے۔ اسی طرح جب انہوں نے جبل نور اور مسجد نبوی کی زیارت کی، تو وہاں کے حقیر حالات میں بھی ایک عظیم تسکین اور پر سکون تاثیر محسوس ہوئی، جسے انہوں نے صاف اور حقیقت نگارانہ انداز میں بیان کیا، اور یوں ان جذبات نے ان کے سفر نامے کو صرف معلوماتی نہیں، بلکہ روحانی و جذباتی گہرائی سے بھرپور بنا دیا ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

> "تلبیہ پڑھتے، دو احرام اور عبا، شوق و ذوق کے ساتھ چلتے گئے۔ رات کے اس لمحے میں آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ دکانیں بھی کھلیں تھیں بزنس بھی جاری تھا۔ خوش الحان قاریوں کی Cassettes سے قرآنی آیات کی نغمگی فضا کو نغمہ بار کر رہی تھی۔ سامنے بیت اللہ کے بلند قامت اور نور افشاں مینار نظر آنے لگے دل نے کہا:
>
> ظہور منزل صبح جمال دور نہیں
>
> بس اک جستِ ساعت انتظار راہ میں"(۹)

ڈاکٹر مختار ظفر نے اپنے حرمین شریفین کے سفر نامے کو بارہ مربوط ابواب کی شکل دی ہے: "سفر شوق انگیز، تیری چاہت میں ہم جو آئے خواب لے کر"، "تیرا اور کعبہ میری منزل کا نشاں ہے"، "سوئے بطحا۔۔۔ سر کے بل راہ مدینہ میں چلنے لگا"، "مسجد نبوی"، "زیارتیں"، "محرابیں"، "منبر شریف گنبدِ خضریٰ"، "الوداعی"، "مکہ معظمہ کی طرف سفر"، "زیارتیں"، "حجتہ الوداع کا تصوراتی منظر نامہ" اور "واپسی"۔ ہر باب میں جذبات و مناظر کے منفرد تاثر شامل ہیں جو قاری کو ڈاکٹر ظفر کے ساتھ سفر پر لے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انہوں نے عمرہ کا ارادہ، ٹکٹ کی بکنگ، گھر سے روانگی اور لاہور ایئرپورٹ سے جدہ تک پرواز کو دن، تاریخ اور وقت سمیت تحریر کیا ہے تاکہ قاری کو ان کے ساتھ موجودگی کا احساس ہو۔ انہوں نے احرام باندھنے، ہوائی سفر، اور جدہ میں پہلا داخلہ عین ان کے مشاہداتی انداز سے بیان کیا، تاکہ منظر نگاری، جذباتی کیفیت اور مقام کا تعارف مل کر سفر نامے کو نہ صرف معلومات کا خزانہ بنائیں، بلکہ ایک بہادری بھرا ادبی تجربہ بھی پیش کریں۔ جدہ شہر کے بارے میں مصنف لکھتا ہے:

> "ہم شام کے اوقات میں جدہ کی حدود سے نکل رہے تھے۔ جدہ ایک تاریخی شہر ہے۔ جہاز کی ایک بہت بڑی بندر گاہ، رسل و رسائل کا بہت بڑا ذریعہ، تجارت کی کھلی مارکیٹ، حضرت عثمان غنیؓ کے زمانہ خلافت میں اسے سابقہ "شعیبہ" شہر کے قریب ایرانی تاجروں نے آباد کیا اور یہ نام بھی اسی زمانہ میں رکھا گیا تھا۔"(۱۰)

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

ڈاکٹر مختار ظفر جدہ سے روانگی اور مکہ پہنچنے کی جلدی میں جذباتی ہوئے جاتے تھے۔ وہ راستے میں آنے والی ہر ہر چیز کو سلیقے اور قرینے سے بیان کرتے ہیں۔ راستے، موسم، پہاڑ، میدان، درخت، ذریعہ سفر، راستے کے مقامات، سفر کا دورانیہ، مکہ میں آمد نظریں ہیں کہ ہر طرف بیت اللہ کو کھوج رہی ہیں۔ ڈاکٹر مختار ظفر نے اس سب تفصیل کو اس قدر قرینے سے بیان کیا ہے کہ قاری کہیں بھی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی وہ چیزوں کی غیر ضروری تفصیل میں جاتے ہیں۔ یہ اقتباس دیکھئے:

”راہ میں آنے والے ان پہاڑوں کو کاٹ کر شاہراہ بنائی گئی۔ بعض پہاڑوں کے دامن میں بستیاں آباد تھیں۔ اونچی اونچی سربلند، چار پانچ سے دس بارہ منزلہ عموماً ہر آبادی کی مسجد کی ایک گنبد اور ایک مینار پر مشتمل تھی۔ یہ علاقہ ہمارے میدانی علاقوں کی نسبت ریتلا اور پتھریلا ہے۔ اس لیے یہاں کی عمارتیں طول و عرض پھیلاؤ کی بجائے عمودی ہیں۔ راستے میں کہیں کہیں سرسبز شاداب درخت بھی نظر آئے۔ ہماری کوچ نے یہ فاصلہ طے کرنے میں تقریباً دو گھنٹے لگائے۔ تقریباً ۹ بجے مکہ شہر میں داخل ہوئے۔ دل میں بپا ایک ہلچل اور یہاں پہنچنے میں تاخیر کی بے چینی تو سکون آشنا ہوئی مگر ایک دوسری بے قراری شروع ہوگئی۔ منزل مراد پہنچنے کی بیت اللہ کو دیکھنے اور کعبتہ اللہ کا نظارہ کرنے کی۔“(۱۱)

ڈاکٹر مختار ظفر مکہ پہنچنے کے بعد کعبتہ اللہ کی زیارت وہاں کا انتظام اور لوگوں کے رونے کا منظر بیان کرتے ہیں۔ وہ ساتھ ساتھ اپنی بیوی اور بیٹے کی کیفیات بھی بتاتے جاتے ہیں۔ کس طرح انہوں نے طواف مکمل کیا۔ کس طرح انہوں نے سعی کو مکمل کیا اور صفا اور مروا کے درمیان چکر لگائے۔ وہ یہ عمل کرتے ہوئے ان اعمال کی وجہ تسمیہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ یہ عمل کیوں فرض قرار دیا گیا ہے۔ یہ چیز کس صحابی یا نبی پاکؐ سے منسوب ہے۔ کس مقام پر انہیں کتنی دیر لگی۔ مقامی لوگوں اور دنیا بھر سے آئے ہوئے لوگوں کے ساتھ ان کا ارتباط کیسا رہا۔ مختلف ملکوں کے لوگوں اور ان کے مزاج کے بارے میں وہ تفصیل سے بیان کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ اپنی کیفیت کا حال بھی بتاتے جاتے ہیں۔ یہ اقتباس دیکھیے:

”زہے نصیب اتنے میں روضہ اقدس کی جالی کے سامنے پہنچ گئے۔ آپ کا بیضوی جھروکا اور سامنے عاجز و درماندہ۔ ایک لمحے میں محسوس ہوا جیسے ساری دنیا کی خوشیاں دل میں سمٹ آئی ہیں اور دوسرے لمحے اپنی بے بضاعتی کا احساس کچوکے بھرنے لگا۔ اس کشمکش میں جو کیفیت گزری اظہار نہیں پا سکتی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھے۔ ادھر وقت بہت کم، ادھر پاؤں کا طلاطم خیز دریائے دل۔۔۔ عجز و انکسار میں ڈوبی خواہشات پیش ہوتی رہیں۔“(۱۲)

ڈاکٹر مختار ظفر بعض مقامات، مناظر اور کیفیات کو دیکھ کر ماضی سے کوئی واقع تلاش کرلاتے ہیں اور بعض صورتوں میں چیزوں کا موازنہ اپنے وطن سے کرتے نظر آتے ہیں۔ مکہ میں لوگوں کو عربی میں بات کرتے دیکھ کر انہیں عربی کی تفہیم کا خیال آیا کہ ہمارے ہاں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو پانچ وقت مسجد جاتے ہیں نماز پڑھتے ہیں مگر ان آیات کا مفہوم اور ترجمہ نہیں معلوم ہوتا۔ ڈاکٹر مختار ظفر نے حاصل پور میں قیام کے دوران آٹھویں جماعت میں ہی روانی سے عربی بولنا سیکھ لی تھی۔ وہ آج کی صورت حال پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

”جبکہ آج کل صورتحال بہت دگرگوں ہے متعلقہ اساتذہ کو خود عربی گرامر کا شعور نہیں اس کے بغیر زبان پر عبور ممکن نہیں اور انہیں اس کی پرواہ بھی نہیں۔ اس لیے تدریس میں ڈنگ ٹپاؤ کا سلسلہ چل رہا ہے۔ مجھے تو اس پر حیرت اور پشیمانی ہے کہ ہمارے نمازیوں کی اکثریت کو ان آیات اور صورتوں کی سرے سے تفہیم نہیں ہے جو وہ نماز میں پڑھتے اور سنتے ہیں حالانکہ اس سے خدا سے مکالمہ بھی ہوتا ہے ایمان بھی تازہ ہوتا ہے۔ دل میں بصیرتوں کے چراغ روشن ہوتے ہیں۔“(۱۳)

ڈاکٹر مختار ظفر راستے میں آنے والے مقامات اور اسلامی تاریخ سے جڑے اہم واقعات کو مختلف مقامات سے جوڑ کر دیکھتے ہیں اور ان کی تفصیل مختصر طور پر بیان کرتے جاتے ہیں یوں ان کا سفرنامہ ایک محقق کا سفرنامہ بن جاتا ہے۔ جس میں اسلامی تاریخ کا ایک بڑا حصہ جمع ہوگیا ہے۔ مثلاً راستے میں آنے والی مسجد قبلتین کو دیکھتے ہیں تو لکھتے ہیں:

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

"یہ مسجد نبوی سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ مسجد تاریخ اسلام کے ایک اہم واقعہ کی علامت ہے۔ ابتدا میں مسلمان نماز بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھتے تھے۔ حضور اکرم جب تک مکہ میں تشریف فرما رہے یہی دستور رہا مگر آپ نمازیں اس رخ سے ادا فرماتے تھے کہ خانہ کعبہ بھی آپ کے سامنے رہتا مگر مدنی زندگی کے ابتدائی ایام میں مکمل طور پر بیت المقدس ہی قبلہ تھا اور تقریباً سولہ سترہ مہینے آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں لیکن اس تمام عرصے میں۔ حضور اکرم کی یہ دلی تمنا رہی کہ مسلمان حضرت ابراہیم کے تعمیر کردہ خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔ حضورؐ بار بار اسی تمنا میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے بالآخر ایک روز عین نماز کی حالت میں تبدیلی کعبہ والی آیت نازل ہوئی۔"(۱۴)

ڈاکٹر مختار ظفر کے سفر نامے "سوئے حرم لے چل" کو اگر فنی حوالے سے دیکھیں تو زبان و بیان، منظر نگاری، کہانی پن، مزاح کے عنصر اس سفر نامے کو ادبیت عطا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر مختار ظفر کے اسلوب کی بابت اگر سفر نامے کو دیکھا جائے تو اس میں زبان و بیان کا عمدہ استعمال ہوا ہے۔

ڈاکٹر مختار ظفر کے اس سفر نامے میں تلمیح اور تشبیہات کا استعمال کثرت سے ملتا ہے۔ انہوں نے اس سفر نامے میں عمدہ لفظیات کو برتا ہے۔ تشبیہات کو مبہم اور پیچیدہ نہیں بنایا بلکہ سادہ اور آسان زبان میں برتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تراکیب بھی آسان ہیں۔ سفر نامے میں جابجا موقع کی مناسبت سے اشعار استعمال کئے ہیں جو زیادہ تر ملتان کے شعراء کے ہیں اور حمدیہ اور نعتیہ کلام سے ہیں مثلاً مطاف میں مرد، عورتیں، بوڑھے اور جوان دلی جذبوں سے معمور طواف کر رہے ہیں، دعائیں پڑھ رہے ہیں اور اپنی دھن میں عاجزی کے ساتھ چل رہے ہیں تو ڈاکٹر مختار ظفر اس عمل کو شمع اور پروانے کی تشبیہ دیتے ہیں کہ کعبہ کے گرد لوگ اس طرح چل رہے ہیں جیسے شمع کے گرد پروانے ہوں۔ مجید امجد کے الفاظ میں وہ اس کیفیت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

"عدم سے ازل تک، ازل سے ابد تک
ٹھہرتی نہیں ہے اک آن کی گردش
رواں ہے رواں ہے طپاں ہے طپاں ہے
یہ چکر یونہی جاوداں چل رہا ہے"(۱۵)

ڈاکٹر مختار ظفر نے اپنے سفر نامے میں نہ صرف نہایت دلچسپ پیرایہ استعمال کیا ہے بلکہ خوبصورت الفاظ سے اسے ایک شاعرانہ حسن بخشا ہے، جس سے تحریر میں بے پناہ دلکشی اور زندہ دلی آگئی ہے۔ ان کی زبان ایسی زندہ اور بلیغ ہے کہ قاری تحریر کے ساتھ ساتھ ان مقامات کی خوشبو، فضا اور ماحول کو بھی محسوس کرتا ہے۔ ان کی تحریر میں ایک گہرا اطمینان اور سکون ہے جو پڑھنے والے کو بغیر تھکے ہوئے دل کو فوراً تسکین پہنچاتا ہے۔ مزید برآں، مکالمہ نگاری سفر نامے کا ایک اہم ترین ستون ہے، اور ڈاکٹر مختار ظفر نے مکالموں کے ذریعے اپنی داستان میں جان ڈال دی ہے۔ ان مکالموں میں زندگی کے رنگ و بو جھلکتے ہیں۔ یہ صرف ان کے دوسرے افراد سے بات چیت نہیں، بلکہ اکثر وہ خود کلامی کے انداز میں اپنی کیفیات اور تاثرات بیان کرتے ہیں۔ ان خود سے کیے گئے مکالموں میں وہ ماضی، حال اور مستقبل کے مابین سفر کرتے محسوس ہوتے ہیں، اور ان کی یہ ذاتِ گفتگو قاری کو ایک ادبی اور جذباتی سفر پر روانہ کر دیتی ہے۔ یہ اقتباس دیکھئے:

"آج طبیعت میں اداسی تھی، بے قراری تھی، بیٹے سے کہا: مسجد میں چکر لگا آئیں۔ بیٹے نے جواب دیا! جی ضرور بسم اللہ ہم دونوں نے اندر سے پوری مسجد کا راؤنڈ کیا اس کے حُسن و جمال اور فنی سحر کاریوں میں گم رہے۔"(۱۶)

ڈاکٹر مختار ظفر نے مکالمہ نگاری کے ساتھ ساتھ منظر نگاری میں بھی بہت مہارت دکھائی ہے، جو فکشن کی خاص وہ خوبی ہے — یہ قاری کو واقعات کے بیچ کھڑا کر دیتا ہے۔ ان کے سفر نامے میں منظر نگاری اہم ترین عنصر ہے۔ وہ حقیقی مقامات کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے موجود منظر ایسی واضحیت سے جلوہ گر ہوتا ہے جیسے ہم اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ مثال کے طور پر: انہوں نے جب مسجد نبوی، کعبہ یا جبل نور کا منظر پیش کیا، تو صرف عمارتوں یا راستوں کا ذکر نہیں کیا بلکہ روشنیوں کا کھیل، ہوا کا

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

احساس، خوشبو، وہاں کا ماحول، لوگ اور ان کی حرکتیں — یہ سب اس طرح سے زندہ ہوئے کہ قاری قدم قدم پر ان مناظروں کا براہِ راست مشاہدہ کرنے لگا۔ ان مناظروں کی باریکیاں اور تفصیلات ایسی ہیں کہ قاری نہ صرف قاری بلکہ خود ایک شریکِ سفر محسوس ہوتا ہے۔ یہ اقتباس دیکھیے:

> "مگر ہم کب کسی کی سنتے ہیں اور وہ بھی ایسے میں جہاں تجلیات الٰہی کے سرچشمے اُمڈ رہے ہوں۔ ہم نے روشنی اور تنویر کے اس ماحول میں پڑھنے کی کاوش کو دیکھا کہ بیت اللہ کے گرد پروانوں کا متحرک ہجوم ہے۔ طواف میں مشغوم ہے کوئی ٹولیوں میں دعائیں پڑھتے ہوئے نظر آئے۔ غرض ایک تحیر آمیز منظر تھا۔ ہم تینوں بھی اس کا حصہ بن گئے۔" (۱۷)

ڈاکٹر مختار ظفر نے اپنے سفر نامے میں داستانی پیرایہ اختیار کیا ہے، جو کہ ایک قدیم فن کی نمائندگی کرتا ہے — کہانی اور قصہ کہنے کا راستہ۔ انسان حقیقتوں کو قصے کی صورت میں بہتر طور پر سمجھتا ہے، اسی لیے انہوں نے پوری اسلامی تاریخ کے اہم واقعات اور مقدس مقامات کا تعارف ہمیں ایک داستانی رنگ میں کروایا، جس نے ہمیں ان لمحات کے سحر میں مبتلا کر دیا۔ ان کے اس انداز میں نا صرف معلوماتی حقائق شامل ہیں، بلکہ وہ ہمارے جذبات کو بھی اپنے ساتھ سفر پر لے جاتے ہیں، بالکل "The Thousand and One Nights" کی روایت کی طرح، جہاں کہانی کا جادو قاری کو جکڑ لیتا ہے۔ یہ اقتباس دیکھئے:

> "مسجد قبا پہنچے تو اسے حُسن نادرہ کاری کا شہکار پایا اس مسجد کی تاریخ بڑی درخشاں ہے۔ اس لیے بھی کہ اسے دین اسلام کی پہلی مسجد ہونے کا شرف حاصل ہے قبا کی یہ بستی شہر مدینہ سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر آباد ہے۔ ہجرت کے بعد جب آپؐ یہاں تشریف لائے تو یہاں "عمرو بن عوف" سے موسوم قبلہ آباد تھا اور اس کا سردار کلثوم بن ہدم تھا۔ اسی کا گھر آپؐ کی اولین قیام گاہ تھی۔" (۱۸)

ڈاکٹر مختار ظفر نے اپنے سفر نامے میں طنز و مزاح کا دخل بوقتِ ضرورت بہت خوبصورتی سے استعمال کیا ہے، اور یہ اس صنف میں ایک نادر فن کا ثبوت ہے۔ انہوں نے مقدس مقامات کی زیارت کے دوران پاکستانی مسلمانوں کی روزمرہ زندگی کی تصویر کو لطیف طنز کے ذریعے زندگی سے قریب تر بنایا، جس سے قاری کو سفر نامے کی سنجیدگی میں بھی مسکراہٹ ملتی ہے۔ مثلاً جب کوئی مسکین سی مسافر مخصوص صورتحال میں پھنس جاتا ہے تو ڈاکٹر ظفر اس واقعے کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ غیر سنجیدہ قاری بھی ہنس اٹھے، اور سنجیدہ قاری اس میں چھپی حقیقت کو پہچانے یہی مزاح کا حسن ہے جو سفر کی کشیدگی میں رُوٹھے ہوئے دل کو بھی لطیفی روح بخشتا ہے۔

یہی مزاحی توازن لکھے ہوئے الفاظ کو سادگی اور سلاست کے ساتھ مآثر بناتا ہے۔ ڈاکٹر مختار کے ذخیرہ الفاظ میں عربی اور اردو دونوں زبانوں کے اعلیٰ الفاظ شامل ہیں، جو ان کے گہرے مطالعاتی پس منظر اور تدریسی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انہوں نے سفر نامے کو کسی کتابی اور طولانی روایت میں نہیں گھیرا، بلکہ اسلامی تاریخ کے اہم واقعات کو مروّج سیاق و سباق میں ادا کیا، تاکہ قاری کو نہ کسک ہو اور نہ بوریت محسوس ہو۔ اس لحظہ فنی تسلسل نے معلومات اور فن کو ایسے ملا دیا ہے کہ سفر نامہ نہ محض گزارے ہوئے سفر کی داستان بنتا ہے بلکہ ایک دلچسپ، معیاری اور حقیقت پر مبنی ادبی تجربہ بن جاتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> "ابو بکر چلتے چلتے مسجد قبلین کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں جتنے پہاڑ نظر آئے۔ روئیدگی سے خالی، بے آب و گیاہ، بنجر سے اور ویران سے۔ اسی راہ میں حضرت عثمان اور خزیمہ بن عثمان دیکھے۔" (۱۹)

ڈاکٹر مختار ظفر کا سفر نامہ "سوئے حرم لے چل" نہ صرف سفر کی تفصیلات کو خوبصورت بیان، منظر نگاری اور فنی اصطلاحات سے مزین کرتا ہے بلکہ ایک ایسا مسافر بھی دکھاتا ہے جو اپنے جذبات کو کھلے دل سے پیش کرتا ہے۔ اس سفر نامے میں تخیلاتی رنگ کم اور ایک روحانی فضا واضح طور پر قابلِ محسوس ہے، جہاں قاری کو صرف مناظرات ہی نہیں بلکہ مصنف کی داخلی کیفیت کا بھی براہِ راست ادراک ہوتا ہے۔

دوسرا سفر نامہ "کیوں نہ ہم بھی سیر کریں ساؤتھ کوریا کی" جنوبی کوریا کے سفر پر مبنی ہے اور اپنے پیشرو سفر نامے کے مقابلے میں مختصر اور بھرپور ہے۔ پہلی کتاب میں اسلامی تاریخ کے اہم واقعات اور جذباتی وابستگی نے سفر نامے کو وسعت دی تھی، جبکہ یہ سفر نامہ ایک بالکل مختلف اور زیادہ معاشرتی و ثقافتی زاویے سے لکھا گیا ہے۔ ڈاکٹر

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

مختار ظفر نے ۲۰۱۹ء میں اس کے لیے رختِ سفر باندھا، جہاں انہوں نے کوریا کا ویزا "ڈیجن شہر" کے لیے حاصل کیا اور یہ سفر اپنی بیٹی اور داماد سے ملاقات کے باعث کیا، جو وہاں کائسٹ یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم تھے۔ اس سفر کے آغاز میں وہ لکھتے ہیں:

"بچوں نے ہمیں ۱۰ جون تا ۱۶ جولائی کے لیے ویزا سپورٹنگ ڈاکومنٹس ارسال کیے جن کی بنا پر ہم نے ۳۰ مئی کو اسلام آباد میں واقع کورین ایمبیسی میں وزٹ ویزے کے لیے درخواست دی جو چند دنوں میں منظور ہو گئی۔ ایک ٹریول ایجنسی کے ذریعے ۲ جون کو اپنی سیٹیں بک کروائیں اور ہمارا ۱۰ جون کی شام ۱۰:۴۰ پر اسلام آباد سے بیجنگ اور وہاں سے جنوبی کوریا کے دارالمقام ساؤل جانا ٹھہر گیا۔ لہٰذا ہم نے تیاریاں شروع کیں، ضروری کام نمٹائے ۔۔۔۔ میں نے روزنامہ خبریں کے کچھ ادبی ایڈیشن تیار کئے اور ۱۰ جون کو ادھر صبح صادق مسکرائی ادھر ہمارا شوقِ سفر بیدار ہوا۔"(۲۰)

ڈاکٹر مختار ظفر نے اس سفر نامے میں بھی سفر کی ہر ضروری تفصیل کو درج کیا ہے۔ وہ ساتھ ساتھ وہاں کے حالات و واقعات کا وطن عزیز سے موازنہ بھی کرتے جاتے ہیں۔ یوں سفر نامہ میں کئی دلچسپ واقعات، مشاہدات، تجربات اور اتفاقات درج ہیں۔ سفر نامہ اپنا ایک بھرپور تاثر اپنے قارئین تک پہنچاتا ہے۔ جنوبی کوریا کے بارے میں کم ہی سفر نامے اردو دنیا میں لکھے گئے ہیں۔ ڈاکٹر مختار ظفر نے اس سفر نامے کے فنی عناصر کو بھی عمدگی سے برتا ہے، اشعار کا برمحل استعمال، منظر نگاری، جزئیات نگاری اور عمدہ زبان و بیان اسے اردو کے منفرد سفر ناموں میں شمار کرتا ہے۔ سفر نامے کے آغاز میں اسلام آباد ایئرپورٹ پر انتظار کرتے ہوئے وہ حقیقی سفر کا تصور کرتے ہوئے تخیل میں کھو جاتے ہیں۔ یہ اقتباس دیکھیے:

"میں ذاتی طور پر جو ہے پر قانع رہتا ہوں اور جو ہونا چاہیے اس کی آرزو اور کاوش کرتا رہتا ہوں مگر اس کے تصوراتی منظر نامے کی بنا پر جو ہے کی نفی نہیں کرتا۔ ائر ہوسٹس اور سٹیوارڈ پر مشتمل عملہ بھی خوب تھا۔ شباب و جمال کا آئینہ دار، مردانہ وجاہت اور نسوانی رعنائی کے چلتے پھرتے پیکر ایک دوالیسی رعنائیاں تھیں جو اس شعر کا در کھولتی ہیں:

تمہارے آنے سے کھلتے ہیں پھول صحرا میں
تمہارے نقشِ قدم گلستاں بناتے ہیں

اسی ایئرپورٹ پر ہم اپنی نشستوں پر پرواز کے انتظار میں بیٹھے تھے کہ اپنے سفری ٹارگٹ جنوبی کوریا کا تصور آتے ہی شاہ حسین کی کافی کا یہ بند یاد آ گیا:

اساں ملک ان ڈٹھڑے جانا
نہ میں کیتا نہ میں تنبیتا
نہ میں لاہی چھلی۔۔۔۔"(۲۱)

ڈاکٹر مختار ظفر اگرچہ شاعر نہیں ہیں، مگر ان کے پاس شاعری کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ وہ سفر نامے میں موقع کی مناسبت سے ہزاروں اشعار بیان کرتے ہیں، جس سے ان کی تحریر میں ادبیت اور تخلیقی رنگ بھر اجاتا ہے اور قاری کو ان دیکھی دنیاؤں میں لے جایا جاتا ہے۔ مزید بر آں، وہ عصری تاریخ کو بھی موثر انداز میں سفر نامے کا حصہ بناتے ہیں۔ جہاں بھی وہ کسی ایئرپورٹ یا ملک کے بارے میں لکھتے ہیں، وہاں کا مختصر مگر جامع تعارف دیتے ہیں تاکہ قاری کے ذہن میں اس مقام کا ایک واضح تصور ابھرے۔

جب ڈاکٹر مختار ظفر سفر کے بیچ کچھ نہیں کر رہے ہوتے، تب بھی وہ ایک ذہنی تصوراتی دنیا میں قدم رکھتے ہیں۔ جہاں وہ اپنی زندگی کے ماضی یا مستقبل کے کسی واقعے پر غور کرتے ہیں یا سوچتے ہیں کہ وہاں کیا ہونا چاہیے۔ ان کے یہ خیالات اور اندازِ سوچ قاری کو زندگی کے نئے زاویوں سے روشناس کرواتے ہیں، اور ان کی سلاست و سادگی سے تحریری رنگ میں ایک حقیقی اور جاندار صورت نکھرتی ہے۔ یہ طریقہ سفر نامہ نگاری کو نہ صرف معلوماتی بناتا ہے بلکہ قاری کے لیے ایک جذباتی اور فکری سفر کا باعث بھی بنتا

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

ہے، جو ادب اور حقیقت کے حسین امتزاج سے مزین ہوتا ہے۔ اس مشاہداتی اور ذہنی عکاسی نے ڈاکٹر مختار ظفر کے سفر نامہ نگاری کو ایک منفرد اور دلکش انداز عطا کیا ہے، جو معاصر سفر نامہ نگاری کے معیارات کے عین مطابق ہے۔

ڈاکٹر مختار ظفر کے ذہن میں بیجنگ کی رہتی منظر نگاری ایک فکر انگیز تاریخی وسیاسی پزیرائی لے کر آئی۔ انہوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاکستان کے دفاع میں چین کی دوٹوک حمایت کا ذکر کیا۔ جس کی وجوہات میں ماؤزے تنگ کی انقلابی، وژنری قیادت اور قومی استحکام کی حکمت عملی prominent تھی۔ ماؤ نے نہ صرف چین کو عالمی طاقتوں کے مقابلے میں ایک باوقار مقام دلایا بلکہ داخلی یکجہتی، محنت کی قدر، اور سرکاری نظم وضبط کے بلند معیاروں پر زور دیا۔ ماؤ کی رہنمائی نے چین کو یہ ثابت کرنے کا موقع دیا کہ وہ ترتیب و ترتیبِ نو کے لیے تیار ایک خود مختار قوم ہے، جو جدید تقاضوں کے مطابق اقتصادی وسیاسی ترقی میں اپنا مقام بنانے کے جذبے سے سرشار ہے۔ ڈاکٹر مختار ظفر نے ماؤ کی اس دوراندیشانہ سوچ، قومی تعمیر، اور عالمی سیاست میں خود مختاری کے حصول کو اپنے سفر نامے کے تناظر میں انتہائی مدلل اور معنی خیز انداز میں بیان کیا، جو نہ صرف سفر کی تفصیلات ہیں بلکہ ایک تاریخی وسیاسی شعور کی جھلک بھی پیش کرتے ہیں۔ اقتباس دیکھیے:

> "بیجنگ کی طرف رواں دواں سفر میں میرے ذہن میں اس سے وابستہ تصورات کی گرہیں کھل گئیں۔ بھارت سے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں وطن عزیز کی حمایت میں چین کا دوٹوک موقف اور جرات مندانہ حمایت، تب اس کے وزیر اعظم جو این لائی کی پاکستان آمد پر والہانہ استقبال، ماؤزے تنگ کی وژنری قیادت کے عصری تقاضوں، مستقبل میں تیز رفتار ترقی اور ارتقا کے لیے قومی ضرورتوں اور دنیا کی بڑی طاقتوں کے مقابلے میں امتیازی شان حاصل کرنے کی استعداد کا حامل سیاسی و انتظامی نظام، قومی یکجہتی کا فروغ، محنت کی لگن اور ذوق شوق یہ سب باتیں ذہن میں آتی رہیں۔"(۲۲)

ڈاکٹر مختار ظفر موجودہ صورت حال کو تصوراتی صورت حال سے اس طرح جوڑتے ہیں کہ قاری ان دونوں کے درمیان فرق کو محسوس نہیں کر سکتا اور اس تاریخ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اتنی سی دیر میں ڈاکٹر مختار ظفر قاری کو اس مقام کے بارے میں اتنا کچھ اور اتنا دلچسپ بتا چکے ہوتے ہیں کہ وہ اس مقام کے بارے میں ان کے تجربات کو جاننے کے لیے بے چین ہوتا ہے۔ دوسرے باب کے آغاز میں جہاں بیجنگ ایئرپورٹ پر اترتے ہیں تو یوں معلومات فراہم کرتے ہیں:

> "بیجنگ ایئرپورٹ کا اپنا معیار اور اپنا وقار ہے۔ یہ ایئرپورٹ ۱۲ مارچ ۱۹۵۸ء کو وجود میں آئی تھی اور اس کا ایک ٹرمینل تھا۔ اب تین ہیں۔ پسنجر ٹریفک کے لحاظ سے ۲۰۱۴ء کی ریٹنگ کے مطابق دنیا میں اس کا دوسرا نمبر ہے۔ بیجنگ شہر کی بھی امتیازی شان ہے۔۔۔ آبادی کے لحاظ سے دنیا کا دوسرا بڑا شہر ہے جبکہ پہلے نمبر پر شنگھائی کا نمبر ہے۔ البتہ صدر مقام کے حوالے سے 1st Most Populated Capital ہے۔ اس شہر کی تاریخ بڑی پرانی ہے۔ ۱۰۴۵ء میں دنیا پر اس کے نقوش ابھرے تھے۔ بیجنگ صوبائی صدر ہے۔ اس کے ۱۶ اضلاع ہیں۔ شہر سے ایئرپورٹ فاصلے پر ہے ۳۲ کلومیٹر دور۔۔۔"(۲۳)

ڈاکٹر مختار ظفر نے اپنے جنوبی کوریا کے سفر نامے کو سات منظم اور مربوط حصوں میں ترتیب دیا ہے: اسلام آباد سے بیجنگ تک کا سفر، بیجنگ سے ساؤل تک روانگی، ساؤل سے ڈیجن تک کا سفر، دنیا کے ساتویں طویل ترین برج کا تذکرہ، شہر ڈیجن کی تفصیل، کائیسٹ یونیورسٹی میں قیام اور تجربات، اور وطن واپسی کے دوران پیش آنے والے مسائل و مشکلات۔ اس ساخت نے سفر نامے کو ایک واضح روایتی تشکیل دی ہے۔ ہر مرحلے کو موضوعی سرخی دی گئی ہے، جس سے قاری کو ہر مقام، واقعے اور تجربے کا ایک منفرد اور مربوط نقشہ دستیاب ہوتا ہے اور اس کے ذہن میں آنے والی تصاویر بخوبی تشکیل پاتی ہیں۔ مصنف نے اسلام آباد، بیجنگ، ساؤل، ڈیجن، جیسے شہروں کے تعارف تفصیل سے کرواتے ہیں۔ وہ بیجنگ اور ساؤل کا تعارف اس انداز سے کرواتے ہیں کہ قاری کے دل میں اسے دیکھنے کی خواہش پیدا ہونے لگتی ہے۔ وہ ڈیجن شہر کا تعارف اس طرح کرواتے ہیں:

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

"اب ڈیجن ہماری منزل تھی۔ ۲۰۰ کلو میٹر دور جس کی شاہراہ دل آویز اور فضا دلکش تھی۔ لگتا تھا ہم کسی بہار ساماں پہاڑی مقام پر آگئے ہیں جس کی کشادہ سڑک کے اطراف میں 'اگ رہا ہے در و دیوار میں سبزہ غالب'، اونچے اونچے سر سبز پہاڑ، لہلاتے ہوئے شجر ہائے سایہ دار، ڈھکی ہوئی تازی و تری سے لدے اپنی شاخیں ہلا ہلا کر آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔"(۲۴)

یوں ۱۳ مئی سے شروع ہونے والی تیاری آہستہ آہستہ مکمل ہوتی ہے اور کہانی ڈیجن شہر تک پہنچ جاتی ہے۔ وہ یہاں کے سمندر کے بارے میں قارئین کو برابر بیان کرتے ہیں۔ یہاں کے سمندر کی کشادگی اور ساحل کی خوبصورتی کو بیان کرتے ہیں۔ یوں ڈاکٹر مختار ظفر نے مختلف ملکوں اور شہروں کا عمدہ تعارف ہمیں کروایا ہے۔ اپنی بات کو پہنچانے کے لیے انہوں نے کم سے کم الفاظ کا استعمال کیا ہے اور اس بیان میں ادبی چاشنی کو برقرار رکھا ہے۔ یوں ایک ایسی تفصیل بھی سفر نامہ میں جمع ہوتی چلی جاتی ہے جو اصل معلومات تو نہیں ہیں مگر یہاں یہ معلومات بھلی لگ رہی تھیں۔

ڈاکٹر مختار ظفر نے فنی اعتبار سے بھی سفر نامے کو خوب مزین کیا ہے۔ ان میں جزئیات نگاری بھی ایک خاص حصہ ہے۔ جب مصنف ڈیجن شہر کی ثقافت کی بابت بیان کرتے ہیں تو مکمل جزئیات کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

"آج کل یہاں موسم خوشگوار ہے۔ اس لیے لوگ اکہرے سے لباس میں نظر آتے ہیں۔ زیادہ تر ٹی شرٹ اور ٹراوزرز یا پینٹ یا نیکر۔ مرد و زن دونوں۔۔۔ لیکن لیڈیز کا زیر جامہ زیادہ تر رانوں اور ٹانگوں کو ڈھانپنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ یہ حصے بنے سنورے، گورے چٹے اور برق نظر آتے ہیں۔ ان پر شاید بال اگتے نہیں یا اگتے ہیں تو غائب کر دیے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ حصے صاف اور شفاف نظر آتے ہیں۔ یوں ساق بلوریں پر ہمیں بدن کے طرح دار جلوے دکھائی دیتے ہیں۔ سر کے بال ہیئر کٹ سے سنورے ڈائی سے سجے رہتے ہیں۔۔۔ مرد و زن دونوں کے۔۔۔ کسی مرد کے چہرے پر بڑھی ہوئی شیو نظر نہیں آتی۔۔۔ لیڈیز زیور کا اہتمام بہت کم کرتی ہیں۔"(۲۵)

ڈاکٹر مختار ظفر کسی ایک بات کو بیان کرتے ہیں تو اس کے تمام ممکنہ پہلوؤں کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ باریک سے باریک بات کو بھی قاری کے سامنے رکھتے ہیں تا کہ اس جگہ، منظر اور ماحول کا ایک مکمل تاثر اس کے سامنے قائم ہو سکے۔ اس کے لیے وہ جزئیات نگاری کے فن کو بروئے کار لاتے ہیں۔ ہمیں ان کے ہاں لوگ، ان کا لباس، موسم، سمندر، یونیورسٹی، ہوٹل، ہوائی سفر، ایئرپورٹ، شاہراہیں، گھر، پارک، ہسپتال، سٹی ٹریفک، لوگوں کا آپسی میل جول، تہوار، مذہب، عبادات، خوراک اور سیاست کے حوالے سے ایک مکمل تفصیل سامنے آتی ہوئی نظر آتی ہے۔ بعض اوقات ہم سفر کو بھول کر ان کی گفتگو میں کھو جاتے ہیں۔

ڈاکٹر مختار ظفر کے سفر نامے "کیوں نہ ہم بھی سیر کریں، ساؤتھ کوریا کی" کی ایک اہم فنی خوبی اس کی منظر نگاری ہے۔ وہ سفر میں آنے والی جگہوں کو قاری کے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ قاری اس منظر کو یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ اس کی آنکھوں کے عین سامنے ہو۔ ایسا منظر اس وقت سامنے آتا ہے جب قاری کسی گھمبیر صورتحال سے گزر رہا ہوتا ہے۔ اس لمحے یہ منظر قاری کو راحت فراہم کرتا ہے اور اس سے پہلے کی صورتحال پر غور کرنے کا موقع بھی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ مناظر سفر نامے کے مختلف حصوں کو جوڑنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔ سفر نامے سے یہ اقتباس دیکھیے:

"بہار اور خزاں کے دونوں موسم یہاں ٹھنڈک آمیز، خوش مزاج و خوش گوار ہوتے ہیں۔ پہلا سردیوں کے بطن سے طلوع ہوتا ہے اور دوسرا گرمیوں کی کوکھ سے۔ یہاں کی بہار Cherry Blossom کی حسن کاری کا منظر نامہ ہے۔ چیری کے درختوں اور پودوں پر سفید اور ہلکے گلابی رنگ کے قہقہے لگاتے پھول درختوں کو یوں ڈھانپ لیتے ہیں کہ نہ پتے نظر آتے ہیں، نہ ٹہنیاں گویا "کرتی ہے زیر برقعہ فانوس تانک جھانک" ہفتہ دو ہفتہ خوبصورت منظر کے رنگ ہر سو بکھرے رہتے ہیں۔ ٹھنڈی اور تیز ہوائیں چلتی ہیں، پھول جھڑتے جاتے ہیں مگر ان کے گرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے جیسے رم

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

جھم رم جھم بارش برس رہی ہو اور پانی کی طرح اس کی دھاریں بنی ہوتی ہوں۔ پھر پتے نکلتے ہیں، ان کے بعد پھل۔ یہاں پھولوں کی ایسی فطری Setting ہے کہ گویا "فطرت خود بخود کرتی ہو لالے کی حنابندی"، ادھر ایک طرح کے پھول ختم ہوتے ہیں ادھر دوسری طرح کے پھول کھل اٹھتے ہیں۔"(۲۶)

ڈاکٹر مختار ظفر کے سفر نامے میں ہمیں ایک اہم فنی خوبی کہانی پن کا تاثر کی صورت میں نظر آتی ہے۔ مختلف مقامات اور واقعات کے بارے میں وہ اس انداز سے بتاتے ہیں کہ قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی ماہر کہانی کار یا قصہ گو قصہ سنا رہا ہے۔ عمومی طور پر جب وہ کوئی تاریخی واقعہ کے بارے میں یا کوریا کی ثقافت کی بابت بیان کرتے ہیں تو ان کا انداز کہانی والا ہوتا ہے۔

یہ اقتباس دیکھئے:

"کوریا نے جاپان کی غلامی میں ۳۳ سال گزارے۔ اس عرصے میں انہوں نے بڑے دکھ سہے، بڑے ستم اٹھائے۔ ان پر جسمانی تشدد کیا جاتا رہا۔ بھوکا رکھا جاتا رہا۔ اظہار پر پہرے تھے۔ خوف و ہراس کی اس فضا میں آزادی کی تحریک کا تصور بھی مشکل تھا مگر عزم مستحکم ہوں اور جذبے متلاطم ہوں تو ضرور رنگ لاتے ہیں۔ اسی بے چینی میں اس کی تحریک آزادی نے آنکھیں کھولیں۔ جنگ عظیم دوم نے جاپانیوں کے حوصلوں کو پست کیا اور بالآخر اس نے ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء کو غیر مشروط ہار مان لی اور کوریا اس کے تسلط سے آزاد ہو کر سوویت یونین اور یونائیٹڈ سٹیٹ آف امریکہ کی ملٹری انتظامیہ کے تحت دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔"(۲۷)

درج بالا اقتباس میں ہمیں کہانی کا ایک مکمل تاثر ملتا ہے جس میں ایک معلومات سے بات کا آغاز کیا گیا ہے اور کہانی آگے بڑھتے ہوئے دلچسپ صورت اختیار کرتی گئی جس میں وہ نئی معلومات شامل کرتے گئے اور آخر میں ایک باقاعدہ اختتام نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر مختار ظفر کی دیگر تحریروں کی طرح یہ سفر نامہ بھی ان کی عمدہ زبان و بیان کا مظہر ہے۔ وہ مختصر جملوں میں سادگی کے ساتھ بات کو آگے بڑھاتے ہیں۔ ان کے ذخیرہ میں الفاظ کی بھرمار ہے جہاں سے موقع کی مناسبت سے وہ عمدہ اور موزوں لفظ لے آتے ہیں۔ اسی طرح وہ تشبیہات، استعارات اور تلمیحات کا بھی ضرورتاً استعمال کرتے ہیں۔ ان کے اسلوب میں روانی ہے۔ وہ واقعات، تاریخ اور متن کو اس طرح مربوط کرتے ہیں کہ قاری کو کہیں بھی ٹھہراؤ یا رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ ان کی ذات سے جڑی نجی باتیں ہوں سفر کی تفصیل یا کسی صورتحال پر تبصرہ ایک ساتھ جڑ کر آگے بڑھتے ہیں۔ ان کی تحریر ایک خوشگوار تاثر قائم کرتی ہے۔ یہ اقتباس دیکھئے جس میں وہ کائیسٹ یونیورسٹی کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

"ہر شعبے کی اپنی لائبریریاں، تجربہ گاہیں اور اپنے دفاتر اور جم خانے ہیں۔ ان جم خانوں میں ورزشی آلات نصب ہیں۔ اسی طرح ہر ڈیپارٹمنٹ کے سامنے نشستوں کے ساتھ سائبانی سموکنگ ایریا ہے تاکہ سگریٹ نوش اپنا شوق پورا کر سکیں۔ عمارتوں کے اندر اس شوق سکون آمیز پر سخت پابندی ہے۔ جسارت کرنے والوں کو بھاری جرمانہ دینا پڑتا ہے۔ گراسی پلاٹ، درخت اور پھولوں کے پودے خوبصورت ماحول صحت اور حسن میں اضافے کے لیے ہیں۔"(۲۸)

ڈاکٹر مختار ظفر کا یہ سفر نامہ اپنے اسلوب اور واقعات کے انتخاب میں ایک عمدہ ڈاکومنٹ ہے جس کو بار بار پڑھا جائے تو بوریت یا اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا بلکہ ہر بار قاری کے سامنے علم و جستجو کے نئے دریچے کھلتے ہیں اور وہ ان کے حصار میں گم ہو جاتا ہے۔ دونوں سفر ناموں میں ان کی اپروچ مختلف ہے۔ وہ ان جگہوں کی مناسبت سے اپنے تجربات کو سامنے لاتے ہیں۔ اول میں جزئیات اور دوم میں تجربات پر زور دیا گیا ہے۔ ان دونوں سفر ناموں کے حوالے سے پروفیسر انور جمال لکھتے ہیں:

"دونوں سفر ناموں میں قارئین خود میری اس بات کی تائید کریں گے کہ مسافر یہاں خود فراموشی اور جذب و ارتکاز سے تو گزرا ہے لیکن جب سفر نامہ لکھنے بیٹھا ہے تو یہاں کا ہر منظر دامن قلم تھام کر کہتا ہے کہ:

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ من بیتم!
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست" (۲۹)

مجموعی طور پر بات کریں تو یہ بات واضح ہے کہ ڈاکٹر مختار ظفر کے دونوں سفر نامے "سوئے حرم لے چل" اور "کیوں نہ ہم بھی سیر کریں ساؤتھ کوریا کی" نہ صرف قاری کو معلومات فراہم کرتے ہیں بلکہ ان میں ذاتی تجربات، تاریخی پس منظر اور ماحول کا حسین امتزاج بھی پیش کیا گیا ہے۔ انہوں نے اپنی تحریر میں فن و فکر دونوں کا اعلیٰ معیار برقرار رکھا ہے، اور منظر نگاری، تفصیلی عکاسی، بیانیہ کی روانی، اور شاندار زبان و بیان کے ذریعے قاری کو ہر لمحے اپنی گرفت میں رکھ لیا ہے۔

ڈاکٹر ظفر نے سفر ناموں میں جہاں ہمیں سفر کی عملی معلومات ملتی ہیں۔ جیسے مخصوص مقامات، راستے، فضائی و زمینی حالات وہیں ان میں ان کے ذاتی مشاہدات، جذبات، حیرت، اور علمی استدلال کا توازن بھی نظر آتا ہے۔ یہ امتزاج سفر نامے کو محض دستاویزی رپورٹ سے کہیں آگے لے جاتا ہے اور اسے ایک ادبی شاہکار میں تبدیل کرتا ہے۔ قاری کو ہر جگہ چاہے مقدس مقامات ہوں یا جدید ترین شہر اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود وہاں موجود ہے۔ ان سفر ناموں نے اردو سفر نامہ نگاری کی روایت میں ایک شاندار اضافہ کیا ہے۔ اپنی معلوماتی گہرائی، ثقافتی شعور، ادبی لطافت، اور جذباتی کشش کے ساتھ یہ تصانیف اردو ادب کی بہترین سفر ناموں میں بلاشبہ ممتاز مقام رکھتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نفیسہ حق، "سفر نامہ فن اور جواز"، مشمولہ سہ ماہی "الزبیر" بہاولپور، اردو اکیڈمی بہاولپور، ۱۹۹۸ء، ص ۳۷

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، "اردو ادب میں سفر نامے"، مغربی پاکستان اکیڈمی، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۸

۳۔ خالد محمود ڈاکٹر، اردو سفر ناموں کا تنقیدی مطالعہ، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی، ۲۰۱۱ء، ص ۳۸

۴۔ عمران قریشی، صوبہ سرحد میں سفر نامہ نگاری (تحقیقی و تنقیدی جائزہ) غیر مطبوعہ مقالہ ایم فل، شعبہ اردو، پشاور یونیورسٹی، پشاور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۲

۵۔ حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز، (مرتب) کشاف تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ص ۱۰۰

۶۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، تاریخ ادبیات ملتان، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء، ص ۳۸۰

۷۔ ایضاً، ص ۳۸۰

۸۔ ڈاکٹر مختار ظفر، سوئے حرم لے چل، کیوں نہ ہم بھی سیر کریں ساؤتھ کوریا کی، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۸

۹۔ ایضاً، ص ۳۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۲۸

۱۲۔ ایضاً، ص ۵۱

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۱

۱۴۔ ایضاً، ص ۷۵

۱۵۔ ایضاً، ص ۴۸

۱۶۔ ایضاً، ص ۹۱

۱۷۔ ایضاً، ص ۹۴

۱۸۔ ایضاً، ص ۷۶

QUALITATIVE RESEARCH JOURNAL FOR SOCIAL STUDIES
ISSN Online: 3006-4686, ISSN Print: 3006-4678
Volume No: 02 Issue No: 03 (2025)

۱۹۔ ایضاً، ص۷۴

۲۰۔ ایضاً، ص۱۱۶

۲۱۔ ایضاً، ص۱۱۸

۲۲۔ ایضاً، ص۱۱۹

۲۳۔ ایضاً، ص۱۲۱

۲۴۔ ایضاً، ص۱۶۲

۲۵۔ ایضاً، ص۱۲۹

۲۶۔ ایضاً، ص۱۳۱

۲۷۔ ایضاً، ص۱۳۴

۲۸۔ ایضاً، ص۱۳۷

۲۹۔ ایضاً، ص